قرآن مجید

کلامِ الٰہی یا عبارتِ کلامِ الٰہی؟

تحقیق و تحریر: حافظ محمد زبیر ☆

قرآن کا لغوی مفہوم

''قُرْآن'' دراصل ''قَرَأَ' یَقْرَأُ'' سے نکلا ہے' جس کے معنی جمع کرنے کے ہیں۔ پھر یہ لفظ ''پڑھنے'' کے معنی میں اس لیے مستعمل ہو گیا کہ اس میں کلمات اور حروف کو جمع کیا جاتا ہے۔ (۱) لغوی اعتبار سے لفظ ''قرآن'' مصدر ہے اور ''قِرَاءَ ۃ'' کے مترادف ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۝ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۝﴾ (القیامۃ)

''بے شک ہمارے ذمے ہے اس (قرآن) کا جمع کرنا اور پڑھنا۔ پس جب ہم اس کو پڑھ دیں تو آپ اس کے پڑھنے کی پیروی کریں''۔

بعد میں اسی مصدر سے مفعولی معنی مراد لیتے ہوئے اس کا اطلاق کلام اللہ پر کیا جانے لگا۔ گویا کہ قرآن کا مفہوم ہوگا ''پڑھی گئی کتاب' یا پڑھا گیا کلام''۔ (۲)

قرآن کو ''الفرقان'' بھی کہا جاتا ہے' کیونکہ یہ حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والا کلام ہے۔ کلام اللہ کے یہ دو نام بہت زیادہ مشہور ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۝﴾ (الفرقان)

''بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر فرقان اتاری تاکہ وہ تمام جہان والوں کے لیے خبردار کرنے والا ہو''۔

☆ شعبہ تحقیق اسلامی' قرآن اکیڈمی لاہور

(۱) المفردات' امام راغب اصفہانی' ص ۴۱۱۔

(۲) مناھل العرفان' علامہ زرقانی' ج ۱' ص ۴۔

© rasailojaraid

قرآن کی اصطلاحی تعریف

علمائے اصولیین کے نزدیک قرآن کی اصطلاحی تعریف درج ذیل ہے:

اَلْقُرْآنُ هُوَ الْكِتَابُ الْمُنَزَّلُ عَلَى الرَّسُوْلِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَكْتُوْبُ فِي الْمَصَاحِفِ الْمَنْقُوْلُ اِلَيْنَا عَنْهُ نَقْلًا مُتَوَاتِرًا بِلَاشُبْهَةٍ(۱)

''قرآن مجید وہ کتاب ہے جو (اللہ کی طرف سے) اللہ کے رسول ﷺ پر نازل کی گئی ہے، مصاحف میں لکھی ہوئی ہے اور ہم تک بغیر کسی شک وشبہ کے آپ کی طرف سے نقل در نقل ہو کر پہنچی ہے''۔

کلامِ الٰہی کے بعض حصے پر لفظ ''قرآن'' کا اطلاق

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ کلامِ الٰہی کے بعض حصہ یا کُل، دونوں پر لفظ ''قرآن'' کا اطلاق درست ہے۔ پس جس نے منزل شدہ سارا کلامِ الٰہی پڑھا اس کے بارے میں کہا جائے گا کہ اس نے قرآن پڑھا اور جس نے اس میں ایک آیت بھی پڑھی اس کے بارے میں بھی کہا جائے گا کہ اس نے قرآن پڑھا۔

بعض علماء کی رائے میں ''القرآن'' سے مراد پورا قرآن ہے جبکہ ''قرآن'' سے مراد قرآن کا بعض حصہ ہے۔

نزولِ قرآن

لفظ ''نُزُوْل'' ''نَزَلَ، یَنْزِلُ'' سے مصدر ہے اور اس کا لغوی معنی ''کسی جگہ اترنا یا پڑاؤ ڈالنا'' ہے۔ بابِ افعال میں جا کر یہ متعدی ہو جاتا ہے اور اس کا معنی ''کسی جگہ کسی کو اُتارنا یا ٹھہرانا'' ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿رَبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ﴾ (المؤمنون)

''اے میرے ربّ! مجھے بابرکت جگہ پر اتار اور تو سب سے بہتر جگہ دینے والا ہے''۔

تنزلاتِ قرآن

عام طور پر مفسرین نے قرآن کریم کے دو مرتبہ نزول کا تذکرہ کیا ہے، لیکن اس معاملے میں ہمارے نزدیک صحیح رائے علامہ زرقانیؒ کی ہے جنہوں نے اپنی کتاب ''مناہل العرفان''

(۱) جامع الاصول از پروفیسر ڈاکٹر احمد حسن، ترجمہ الوجیز از ڈاکٹر عبدالکریم زیدان، ص ۱۱۷

© rasailojaraid

میں قرآن کے تین مرتبہ نزول کا تذکرہ فرمایا ہے:

۱) پہلی مرتبہ قرآن کا نزول لوحِ محفوظ میں ہوا۔ اس کی دلیل یہ آیۂ مبارکہ ہے:

﴿بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ۝ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ۝﴾ (البروج)

''بلکہ یہ قرآن بلند پایہ ہے' اُس لوح میں (نقش ہے) جو محفوظ ہے''۔

الفاظ کے اطلاق سے یہ بات ظاہر ہو رہی ہے کہ لوحِ محفوظ میں قرآن کا نزول یک بارگی تھا' نہ کہ آہستہ آہستہ۔ اور لوحِ محفوظ میں قرآن ایسے طریقے اور کیفیت سے موجود ہے جس کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔

۲) دوسری مرتبہ قرآن کا نزول سمائے دنیا میں ''بیت العزۃ'' پر ہوا۔ اس کی دلیل درج ذیل آیاتِ مبارکہ ہیں:

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ﴾ (الدخان:۳)

''بے شک ہم نے (اس) قرآن مجید کو ایک بابرکت رات میں نازل کیا''۔

© rasailojaraid.

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝﴾ (القدر)

''بے شک ہم نے اس کو لیلۃ القدر میں نازل کیا''۔

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ﴾ (البقرۃ:۱۸۵)

''رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن کو نازل کیا گیا''۔

اِن آیاتِ ثلاثہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قرآن کا نزول ایک ہی رات میں ہوا۔ سورۃ الدخان کی آیت ہمیں یہ بتلاتی ہے کہ جس رات میں قرآن کا نزول ہوا وہ ایک بابرکت رات تھی۔ سورۃ القدر میں اس رات کو ''لیلۃ القدر'' کا نام دیا گیا اور سورۃ البقرۃ میں اسے رمضان کی راتوں میں سے ایک رات قرار دیا گیا۔ چونکہ نبی اکرم ﷺ پر قرآن کا نزول ایک خاص اور متعین مدت میں ہوا لہٰذا ان آیات سے مراد وہ نزول نہیں ہے جو کہ آپؐ پر تقریباً تیئیس برس میں ہوا' بلکہ یہ اس کے علاوہ ایک نزول ہے جس کی تصدیق ان آیات کے علاوہ بہت سی اخبارِ صحیحہ سے بھی ہوتی ہے' جن میں سے ایک روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

اُنْزِلَ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً اِلٰى سَمَآءِ الدُّنْيَا لَيْلَةَ الْقَدْرِ ثُمَّ اُنْزِلَ بَعْدَ ذٰلِكَ فِيْ عِشْرِيْنَ سَنَةً

''قرآن کو قدر کی رات سمائے دنیا پر یکبارگی نازل کیا گیا' پھر اس کے بعد بیس سال

© rasailojaraid.

کے عرصے میں اس کا (آہستہ آہستہ) نزول ہوا۔''

۳) تیسری مرتبہ قرآن کا نزول حضرت جبرئیل امین علیہ السلام کے واسطے سے وقفے وقفے سے نبی اکرم ﷺ کے دل پر ہوا۔ اس کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیۂ مبارکہ ہے:

﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۝ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ۝ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ۝﴾ (الشُّعراء)

''اسے لے کر تیرے دل پر امانت دار روح اُتری ہے' تاکہ تُو اُن لوگوں میں شامل ہو جو (خدا کی طرف سے خلقِ خدا کو) متنبہ کرنے والے ہیں' (اور یہ اترا ہے) صاف صاف عربی زبان میں۔''

ہمارے پاس موجود قرآن کی اصل حیثیت

اس میں کوئی شک نہیں کہ جس کلام کو لے کر حضرت جبرئیل امین علیہ السلام نبی اکرم ﷺ پر نازل ہوئے یہ وہی کلام ہے جو کہ مصاحفِ دُنیویہ میں موجود ہے۔ اس کے الفاظ حقیقی اور معجزہ ہیں۔ یہ اللہ وحدہٗ لاشریک کے الفاظ ہیں۔ ان الفاظ کی انشاء یا ترتیب میں حضرت جبرئیلؑ اور محمد رسول اللہ ﷺ کا کوئی دخل نہیں' بلکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہی ان کو پہلی مرتبہ مرتب کیا۔ اس وجہ سے ان الفاظ کی نسبت اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف ہو گی نہ کہ آپ ﷺ یا حضرت جبرئیلؑ اور آپؐ کے بعد قیامت تک آنے والے انسانوں کی طرف۔ کیونکہ کلام کی نسبت عموماً اس کی طرف ہوتی ہے جس نے اس کو پہلی مرتبہ پیدا کیا یا اپنے نفس میں مرتب کیا۔ جیسا کہ اگر آج ہم میں کوئی شخص اپنی تقریر میں قائداعظم کا کوئی قول یا علامہ اقبال کا شعر نقل کرتا ہے تو وہ کلامِ اقبال یا فرمانِ قائد کہلائے گا نہ کہ اُس شخص کا ذاتی کلام۔ اسی طرح اگر آج ہم میں سے کوئی قرآن کی تلاوت کرتا ہے یا اس کی کتابت کرتا ہے تو دراصل وہ کلام اللہ ہی کی تلاوت یا کتابت کرتا ہے۔ ''شرح عقیدہ طحاویہ'' جو کہ اہل سنت والجماعت اور علمائے احناف کے عقائد کی مسلّم و مستند ترین کتاب ہے' اس میں اس مسئلہ پر تفصیلاً بحث موجود ہے۔ ذیل میں ہم اس کا خلاصہ نقل کیے دیتے ہیں۔

اہل سنت کا موقف بیان کرتے ہوئے علامہ ابن ابی العز حنفی لکھتے ہیں:

وَبِالْجُمْلَةِ فَاَهْلُ السُّنَّةِ كُلُّهُمْ مِنْ اَهْلِ الْمَذَاهِبِ الْاَرْبَعَةِ وَغَيْرِهِمْ مِنَ السَّلَفِ وَالْخَلَفِ مُتَّفِقُوْنَ عَلٰى اَنَّ كَلَامَ اللّٰهِ غَيْرُ مَخْلُوْقٍ وَلٰكِنْ بَعْدَ ذٰلِكَ تَنَازَعَ الْمُتَاَخِّرُوْنَ فِيْ اَنَّ كَلَامَ اللّٰهِ هَلْ هُوَ مَعْنًى وَاحِدٌ بِالذَّاتِ اَوْ

© rasailojaraid.com

اَنَّهٗ حُرُوْفٌ وَاَصْوَاتٌ تَكَلَّمَ اللّٰهُ بِهَا بَعْدَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ مُتَكَلِّمًا' اَوْ اَنَّهٗ لَمْ يَزَلْ مُتَكَلِّمًا اِذَا شَاءَ وَمَتٰى شَاءَ وَاَنَّ نَوْعَ الْكَلَامِ قَدِيْمٌ (۱)

''مذاہب اربعہ کے حاملین اہل سنت' متقدمین اور متاخرین' تمام کے تمام اس بات پر متفق ہیں کہ قرآن مجید اللہ کا کلام اور غیر مخلوق ہے۔ لیکن متاخرین کا بعد میں اس بات میں اختلاف ہو گیا کہ کیا اللہ کا کلام ایک معنیٰ ہے جو قائم بالذات ہے یا حروف و اصوات کا نام ہے جن کے ساتھ اللہ متکلم ہوا؟ جبکہ وہ پہلے متکلم نہ تھا یا وہ ہمیشہ متکلم رہا جب اس نے چاہا اور جس وقت چاہا اور جیسے چاہا کلام کیا' یعنی کلام قدیم ہے۔''

عبارت کی تشریح

اہل سنت کا اس بات پر تو اتفاق ہے کہ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے اور غیر مخلوق ہے' جبکہ اختلاف درج ذیل باتوں میں ہے:

۱) متقدمین کے نزدیک قرآن مجید اللہ کا کلام ہے۔ یہ حروف و اصوات کا نام ہے۔ اللہ ہمیشہ اپنے کلام کے ساتھ متکلم رہا۔ اُس نے جب چاہا اور جیسے چاہا ایسی آواز کے ساتھ متکلم رہا جو سنی جاتی ہے اور کلام قدیم ہے۔ اگرچہ معین آواز قدیم نہیں ہے۔ یہ قول جمہور اہل حدیث اور ائمہ سنت کا ہے۔ امام طحاوی کا یہی مذہب ہے۔ اس قول کے مطابق صفتِ کلام بالفعل قدیم ہے۔

۲) بعض محدثین و ائمہ اہل سنت کا کہنا ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ یہ حروف و اصوات کا نام ہے جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ متکلم ہوا۔ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ متکلم نہ تھا۔ ان کے نزدیک صفت کلام ازلی ہے لیکن وہ بالقوۃ ازلی ہے نہ کہ بالفعل' جبکہ پہلے گروہ کے نزدیک صفتِ کلام بالقوۃ اور بالفعل دونوں اعتبار سے قدیم ہے۔

راجح موقف

ہمارے نزدیک راجح موقف دوسرا ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفات کو ازل سے ہی بالفعل ماننے کا لازمی تقاضا یہ نکلتا ہے کہ اللہ ازل سے متکلم ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اللہ ازل سے کس سے کلام کر رہا ہے؟ مُتَكَلَّم کے بغیر کلام عبث ہے اور عبث کا صدور اللہ کی ذات سے ناممکن ہے۔ اللہ کی صفات کو بالفعل ازلی ماننے سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ ہم مخلوق کو بھی قدیم مانیں۔ کیونکہ صفتِ خلق جب ازلی صفت ہے' اس کا بالفعل ظہور بھی ازل سے ہے تو مخلوق بھی

(۱) شرح العقیدۃ الطحاویۃ' علامہ ابن ابی العز حنفی' ص ۱۳۷۔

© rasailojaraid.com

قدیم ہوئی۔ یعنی جب سے صفت خلق ہے اس وقت سے مخلوق ہے۔ لیکن بہرحال فرق اس میں یہ ہے کہ پہلے صفت خلق ہے پھر مخلوق ہے' لیکن پھر بھی تعدّدِ قدماء لازم آئے گا۔ یعنی صفتِ خلق بھی قدیم اور اس صفتِ خلق کا بالفعل ہونا (یعنی مخلوق کا وجود) بھی قدیم ہوگا۔ اس لیے ہمارے نزدیک محدثین کا یہ موقف راجح ہے کہ اللہ کی تمام صفات ازلی ہیں لیکن بالقوۃ ازلی ہیں' بعد میں ان کا مواقع کی مناسبت سے بالفعل ظہور ہوتا رہا۔ مثلاً زید میں کلام کرنے کی صلاحیت ہے لیکن ضروری نہیں کہ وہ ابتدا سے اور ہر وقت کلام ہی کرتا آ رہا ہو۔ اسی طرح اللہ کی ذات میں کلام کی صلاحیت ازل سے ہے لیکن اس کا ظہور بعد میں ہوا۔

متاخرین احناف کا موقف

متاخرین ائمۂ احناف (جیسا کہ ابومنصور ماتریدی) کا قول ہے کہ کلام اللہ معنیٔ واحد ہے جو قائم بالذات ہے' جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے غیر میں مخلوق کیا۔ اس قول کے مطابق کلام بس ایک معنیٔ واحد ہے۔ کلامِ الٰہی میں تعدّد و تکثر بلحاظ دلالت (معنی) کے ہے نہ کہ بلحاظ مدلول (عبارت) کے۔ ان کے نزدیک قرآن مجید اللہ کا کلام ہے لیکن اس کلام کی عبارتیں مخلوق ہیں اور ان عبارتوں کو کلام اللہ حقیقۃً نہیں بلکہ مجازاً کہتے ہیں' کیونکہ یہ عبارتیں اس کلام پر دلالت کرتی ہیں اور ان عبارات کے ساتھ اس کلام کی ادائیگی ہوتی ہے۔ ان عبارات کو عربی میں پیش کرو تو قرآن ہے' عبرانی میں ذکر کرو تو تورات ہے۔ یہ عبارات اصلاً کلام الٰہی نہیں ہیں بلکہ کلامِ الٰہی کو پیش کرنے کا ایک ذریعہ اور واسطہ ہیں۔ اس لیے مجازاً ان عبارات کو کلام اللہ کہہ دیتے ہیں۔

متاخرین حنفیہ اور اہل سنت کے قول کا فرق

۱) متاخرین حنفیہ کے نزدیک جو کچھ مصاحف میں لکھا ہوا ہے وہ کلام اللہ نہیں ہے' بلکہ کلامِ الٰہی کی حکایت یا عبارت ہے۔ یعنی اصل کلامِ الٰہی قائم بالذات ہے اور جب قاری اس کو پڑھتا ہے یا کاتب اس کو مصحف میں لکھتا ہے تو اس مقروء یا مکتوب کلام کو ہم کلامِ الٰہی کی عبارت یا حکایت کہیں گے نہ کہ کلامِ الٰہی۔ اُن کے نزدیک یہ کہنا درست نہیں ہے کہ مصحف میں اللہ کا کلام موجود ہے' کیونکہ سیاہی اور حروف کی بناوٹ کو اللہ کا کلام نہیں کہا جا سکتا۔

۲) اہل سنت کا موقف یہ ہے کہ قاری جب قرآن کی تلاوت کرتا ہے تو ہم اس کے بارے میں یہی کہیں گے کہ وہ کلامِ الٰہی کی ہی تلاوت کر رہا ہے۔ اس قاری کا فعل یعنی ''تلاوتِ قرآن'' مخلوق ہے' لیکن ''مقروء'' مخلوق نہیں ہے۔ اسی طرح جب کاتب کلامِ الٰہی

© rasailojaraid
© rasailojaraid

کو لکھتا ہے تو ہم یہی کہیں گے کہ اس نے کلام الٰہی کو لکھا ہے۔ اگرچہ اس کا فعل ''قرآن کی کتابت'' مخلوق ہے لیکن ''مکتوب'' قرآن ہی ہے۔ کسی مصحف میں لکھے گئے قرآن کے بارے میں یہ کہنا تو درست ہے' کہ یہ فلاں کی کتابت ہے' کیونکہ کتابت ایک فعل ہے' لیکن یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ یہ فلاں کا کلام ہے۔ ان دونوں میں فرق ہے۔ لہٰذا قرآن کی تلاوت کرتے وقت اگرچہ متکلم ہم ہی ہوتے ہیں لیکن اس کے باوجود یہ ہمارا کلام نہیں ہوتا۔ ہم تو اس کلام کے قاری ہیں۔ کلام کی نسبت تو اُس ذات کی طرف ہوتی ہے جس سے وہ پہلی مرتبہ پیدا یا مرتب ہوا۔ مثلاً اگر کسی کتاب میں علامہ اقبال کا کوئی شعر نقل کیا گیا ہو تو ہم یہ نہیں کہیں گے کہ یہ فلاں کاتب کا ہے' بلکہ ہم اس کی نسبت علامہ اقبال ہی کی طرف کریں گے۔ اسی طرح کلامِ الٰہی کی تلاوت کرتے وقت اگرچہ الفاظ ہمارے ہیں لیکن مقروء کلام اللہ ہی ہے۔

متأخرین حنفیہ پر امام ابن ابی العز حنفی کی تنقید

امام ابن ابی العز حنفی متأخرین احناف کے اس مسلک کا ردّ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَلَوْ كَانَ مَا فِي الْمُصْحَفِ عِبَارَةٌ عَنْ كَلَامِ اللّٰهِ' وَلَيْسَ هُوَ كَلَامُ اللّٰهِ ' لَمَا حَرُمَ عَلَى الْجُنُبِ وَالْمُحْدِثِ مَسُّهُ ' وَلَوْ كَانَ مَا يَقْرَأُ الْقَارِئُ لَيْسَ كَلَامَ اللّٰهِ لَمَا حَرُمَ عَلَى الْجُنُبِ وَالْمُحْدِثِ قِرَاءَ تُهُ بَلْ كَلَامُ اللّٰهِ مَحْفُوْظٌ بِالصُّدُوْرِ' مَقْرُوْءٌ بِالْاَلْسِنِ' مَكْتُوْبٌ فِي الْمَصَاحِفِ' كَمَا قَالَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ فِي الْفِقْهِ الْاَكْبَرِ (۱)

''اور اگر وہ جو کہ مصحف میں ہے' اس کو کلام اللہ کی عبارت کہا جائے اور کلام اللہ نہ مانا جائے تو جنبی اور بے وضو کے لیے اس قرآن کا چھونا منع نہ ہوتا۔ اسی طرح اگر قاری کا پڑھنا قرآن نہ ہوتا تو جنبی اور بے وضو انسان کے لیے اس کا پڑھنا ناجائز نہ ہوتا۔ بلکہ اللہ کا کلام سینوں میں محفوظ ہے' زبانوں سے پڑھا جاتا ہے' مصاحف میں لکھا ہوا ہے' جیسا کہ امام ابو حنیفہؒ نے ''فقہ الاکبر'' میں کہا ہے''۔

عبارت کی تشریح

امام ابن ابی العز حنفی اہل سنت کا موقف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اگر زید حافظ

(۱) شرح الطحاویۃ' علامہ ابن ابی العز حنفی' ص ۱۴۱۔

© rasailojaraid

قرآن ہے تو یہ کہنا درست ہے کہ زید کے سینے میں کلامِ الٰہی محفوظ ہے۔ زید جب کلامِ الٰہی کی تلاوت کرتا ہے تو اس کے الفاظ اگرچہ مخلوق ہیں لیکن مقروء کلامِ الٰہی ہے۔ اسی طرح مصحف کے اوراق' سیاہی' لکھے ہوئے الفاظ اگرچہ مخلوق ہیں لیکن مکتوب کلامِ الٰہی ہے۔ دونوں میں باریک سا فرق ہے جس کو نہ سمجھنے کی وجہ سے بہت سے فرقے گمراہ ہو گئے۔

امام ابوحنیفہؒ کا مسلک

ابن ابی العز حنفی ''فقہ الاکبر'' کے حوالے سے امام ابوحنیفہؒ کا مسلک بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اَلْقُرْآنُ فِی الْمَصَاحِفِ مَکْتُوْبٌ وَفِی الْقُلُوْبِ مَحْفُوْظٌ وَعَلَی الْاَلْسِنِ مَقْرُوْءٌ وَعَلَی النَّبِیِّ ﷺ مُنَزَّلٌ وَلَفْظُنَا بِالْقُرْآنِ مَخْلُوْقٌ وَالْقُرْآنُ غَیْرُ مَخْلُوْقٍ وَمَا ذَکَرَ اللّٰہُ فِی الْقُرْآنِ عَنْ مُوْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ وَعَنْ فِرْعَوْنَ وَاِبْلِیْسَ فَاِنَّ ذٰلِکَ کَلَامُ اللّٰہِ اِخْبَارًا مِنْھُمْ وَکَلَامُ مُوْسٰی وَغَیْرِہٖ مِنَ الْمَخْلُوْقِیْنَ مَخْلُوْقٌ وَالْقُرْآنُ کَلَامُ اللّٰہِ لَا کَلَامُھُمْ وَسَمِعَ مُوْسٰی کَلَامَ اللّٰہِ فَلَمَّا کَلَّمَ مُوْسٰی کَلَّمَ بِکَلَامِہِ الَّذِیْ ھُوَ مِنْ صِفَاتِہٖ لَمْ یَزَلْ وَصِفَاتُہٗ کُلُّھَا خِلَافُ صِفَاتِ الْمَخْلُوْقِیْنَ یَعْلَمُ لَا کَعِلْمِنَا وَیَقْدِرُ لَا کَقُدْرَتِنَا وَیَرٰی لَا کَرُؤْیَتِنَا وَیَتَکَلَّمُ لَا کَکَلَامِنَا(۱)

''قرآن مصاحف میں لکھا ہوا ہے' دلوں میں محفوظ ہے' زبانوں سے پڑھا جاتا ہے' نبی اکرم ﷺ پر نازل ہوا ہے۔ قرآن کی تلاوت کے وقت ہمارے الفاظ مخلوق ہوتے ہیں جبکہ قرآن غیر مخلوق ہے۔ اور قرآن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام' فرعون و ابلیس کے جو واقعات ہیں یہ سارا اللہ کا کلام ہے۔ اللہ نے ہمیں ان کے بارے میں خبر دی ہے۔ جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دیگر مخلوقات کا اپنا کلام مخلوق ہے۔ قرآن پاک اللہ کا کلام ہے' ان کا کلام نہیں ہے۔ جب اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰؑ سے ہم کلام ہوئے تو حضرت موسیٰؑ نے اللہ کا کلام سنا۔ اور اللہ نے ان سے جو کلام کیا وہ اللہ تعالیٰ کی ان صفات میں سے ہے جو ہمیشہ سے ہیں' اور اللہ کی تمام صفات مخلوق کی صفات سے مختلف ہیں۔ اللہ کا علم ہمارے علم جیسا نہیں ہے' اس کی قدرت ہماری قدرت جیسی نہیں ہے' اس کی رؤیت ہماری رؤیت جیسی نہیں ہے اور اس کا کلام ہمارے کلام جیسا نہیں ہے''۔

(۱) شرح الطحاویۃ' علامہ ابن ابی العز حنفی' ص ۱۳۸۔

© rasailojaraid.

قرآن مجید اور لوحِ محفوظ

قرآن مجید کے بارے میں درج ذیل آیات مذکور ہیں:

﴿فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ﴾ (البروج)

''وہ لوح محفوظ میں ہے''۔

﴿فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ﴾ (الواقعة)

''وہ کتابِ مکنون میں ہے''۔

﴿فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ﴾ (الطور)

''وہ منتشر اوراق میں ہے''۔

ان تینوں مقامات سے مراد لوحِ محفوظ ہی ہے۔ اور ان آیات میں یہ بات بالکل واضح انداز میں بیان کی گئی ہے کہ یہ قرآن مجید لوحِ محفوظ میں بھی موجود ہے یا لکھا ہوا ہے۔ اس بارے میں قرآن مجید میں ایک اور آیت مبارکہ مذکور ہے:

﴿وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ﴾ (الشُّعراء)

''اور بے شک یہ پچھلے صحیفوں میں بھی موجود ہے''۔

یہاں ''ہ'' ضمیر سے مراد قرآن نہیں' بلکہ ذکرِ قرآن ہے' یعنی اس قرآن کا ذکر پچھلے انبیاء علیہم السلام پر نازل شدہ صحائف میں موجود ہے۔ جیسا کہ نبی اکرم ﷺ کے اوصافِ حمیدہ وغیرہ کا تذکرہ پہلی کتابوں میں موجود تھا۔ یہاں یہ معنی صحیح نہیں ہے کہ جو قرآن آپؐ پر نازل ہوا یہ پہلی کتابوں میں بھی موجود تھا' اس لیے کہ اس قرآن کو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے علاوہ کسی پر نازل نہیں فرمایا۔

خلاصۂ کلام

۱) اہلِ سنت کے مسلّمہ عقائد کے مطابق وہ کلام جو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے صادر ہوا' جو لوحِ محفوظ میں موجود ہے' بیت العزۃ (سمائے دنیا) پر جس کا نزول ہوا' جو آپؐ کے قلبِ مبارک پر اُتارا گیا' جو مصاحف میں لکھا ہوا ہے اور جس کی ہم تلاوت کرتے ہیں' یہ سب قرآن ہے اور اللہ کا حقیقی کلام ہے۔

۲) متأخرین احناف کا قول ہے کہ قرآن معنیٰ واحد ہے اور قائم بالذات ہے' جبکہ مصاحف میں لکھا ہوا قرآن یا قاری کا پڑھا ہوا قرآن کلامِ الٰہی کی عبارت یا حکایت ہے'

© rasailojaraid

کلامِ الٰہی نہیں ہے۔

راجح موقف

راجح موقف اہل سنت کا ہے' جس کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

﴿وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ﴾ (التوبۃ:٦)

''اور اگر مشرکین میں سے کوئی ایک آپؐ سے پناہ طلب کرے تو آپؐ اس کو پناہ دے دیں یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے۔''

اس آیت میں مشرکین کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ اللہ کا کلام سن لیں' حالانکہ وہ مشرک اللہ تعالیٰ سے تو اللہ کا کلام سننے سے رہے۔ بلکہ ظاہری بات ہے کہ مشرکین میں سے کوئی اگر اللہ کے کلام کو سنے گا تو اللہ کی جانب سے کسی مبلغ سے ہی سنے گا! اور یہاں اس مبلغ کے کلام کو جو کسی مشرک کو کلام اللہ پڑھ کر سنا رہا ہے' کلامِ الٰہی کہا گیا ہے۔

علامہ ابن ابی العز حنفی لکھتے ہیں:

وَالْآيَةُ تَدُلُّ عَلٰى فَسَادِ قَوْلِ مَنْ قَالَ اِنَّ الْمَسْمُوْعَ عِبَارَةٌ عَنْ كَلَامِ اللّٰهِ وَلَيْسَ هُوَ كَلَامَ اللّٰهِ فَاِنَّهُ تَعَالٰى قَالَ: ﴿حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ﴾ وَلَمْ يَقُلْ حَتّٰى يَسْمَعَ مَا هُوَ عِبَارَةٌ عَنْ كَلَامِ اللّٰهِ وَالْاَصْلُ الْحَقِيْقَةُ۔ وَمَنْ قَالَ اِنَّ الْمَكْتُوْبَ فِي الْمَصَاحِفِ عِبَارَةٌ عَنْ كَلَامِ اللّٰهِ اَوْ حِكَايَةُ كَلَامِ اللّٰهِ وَلَيْسَ فِيْهَا كَلَامُ اللّٰهِ فَقَدْ خَالَفَ الْكِتَابَ وَالسُّنَّةَ وَسَلَفَ الْاَئِمَّةِ وَكَفٰى بِذٰلِكَ ضَلَالَةً(۱)

''اور آیت مبارکہ اُس شخص کے قول کے فاسد ہونے پر دلالت کر رہی ہے جو یہ کہتا ہے کہ جو سنا جاتا ہے وہ کلام اللہ کی عبارت ہے اور وہ کلام اللہ نہیں ہے' جب کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کہا ہے: ''یہاں تک کہ وہ کلام اللہ سن لے'' اور یہ نہیں کہا کہ: ''یہاں تک کہ وہ کلام اللہ کی عبارت سن لے''۔ اور یہی اصل حقیقت ہے۔ اور جو یہ کہتا ہے کہ جو کچھ مصاحف میں لکھا ہے وہ کلام اللہ کی عبارت یا حکایت ہے اور مصحف میں کلام اللہ نہیں ہے اس نے کتاب و سنت اور ائمہ سلف کی مخالفت کی اور یہی بات اس کی گمراہی کے لیے کافی ہے''۔

(۱) شرح الطحاویۃ' علامہ ابن ابی العز حنفی' ص ۱۴۳۔

© rasailojarai

کیا مصاحفِ دُنیویہ کو قرآن مجید کی مصدَّقہ نقول کہنا صحیح ہے؟

۱) اہل سنت کے عقیدے کے مطابق مصاحفِ دُنیویہ میں موجود قرآن وہی ہے جو کہ لوحِ محفوظ میں ہے۔ دونوں میں کسی قسم کا بھی فرق نہیں ہے۔ اس لحاظ سے قرآن مجید کو کلامِ الٰہی کی مصدَّقہ نقول کہنا صحیح نہیں ہے' بلکہ یہ وہی حقیقی کلامِ الٰہی ہے جو اللہ کی ذات سے صادر ہوا۔ البتہ اِن مصاحف کے اوراق' کلامِ الٰہی کی کتابت کے لیے مستعمل سیاہی اور کاتب کے الفاظِ کتابت' یہ سب مخلوق ہیں۔ لہٰذا مصحف کے اِن اوراق' الفاظ' کتابت اور ان کے لیے مستعمل سیاہی کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ کلامِ الٰہی کی مصدَّقہ نقل ہے' اس میں اہل سنت کے نزدیک کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ قائل کا یہ عقیدہ بھی واضح ہو کہ وہ ان مصاحفِ دُنیویہ میں کلامِ الٰہی کے وجود کا منکر نہ ہو' جیسا کہ بعض متاخرینِ احناف نے مصاحفِ دنیویہ میں کلامِ الٰہی کے وجود کا انکار کیا ہے اور اسے کلامِ الٰہی کی عبارت یا حکایت قرار دیا ہے۔

۲) متاخرینِ احناف (اشاعرہ) کے موقف کے مطابق مصاحفِ دُنیویہ کو کلامِ الٰہی کی مصدَّقہ نقول کہنا جائز بلکہ اصح ہے۔ ان کے نزدیک نہ تو کاتب کا مکتوب کلامِ الٰہی ہے اور نہ قاری کا مقروء۔ لیکن ائمہ اربعہ اور اہل سنت کا موقف اس سلسلے میں بالکل واضح ہے' جیسا کہ ابن ابی العز حنفی نے بیان کر دیا کہ ان سب کے نزدیک مصاحف میں موجود کلام' کلامِ الٰہی ہے نہ کہ کلامِ الٰہی کی عبارت یا حکایت' لہٰذا ائمہ اربعہ اور اہل سنت کے موقف کے مطابق مصاحفِ دُنیویہ کو کلامِ الٰہی کی مصدَّقہ نقول کہنا درست نہیں ہے۔

۳) یہ اصولی بحث اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ اس کا براہِ راست تعلق مصاحفِ دُنیویہ کے ادب و احترام سے ہے۔ اگر مصاحف میں کلامِ الٰہی کا انکار ہو گا تو اسی اعتبار سے مصاحف کے ادب و احترام کا معاملہ بھی رسمی ہو گا' جیسا کہ متاخرین احناف کے بعض فقہی اقوال سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے۔

(نوٹ: کلامِ الٰہی کی حفاظت و احترام سے متعلقہ یہ بحث ابھی جاری ہے۔ ان شاء اللہ اگلے شمارے میں مصاحف عثمانیہ کی تاریخ وارتقاء کے حوالے سے کچھ معروضات پیش کی جائیں گی۔)

© rasailojarai
© rasailojarai
© rasailojarai